علامہ اقبال اور پنجابی زبان و ادب

ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد
چیئرمین شعبہ پنجابی، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ALLAMA IQBAL AND PUNJABI LANGUAGE AND LITERATURE

Ismatullah Zahid, PhD
Chairman Department of Punjabi, Punjab University, Lahore

Abstract

The great poet of the East Allama Muhammad Iqbal was born at Sialkot district of the Punjab. He infused a new spirit in the Muslims of the subcontinent which consequently resulted in winning freedom for them. Though Allama Iqbal composed his verse only in Urdu and Persian but the influence of his mother tongue -Punjabi and love for the Saint's and Sufis who composed their verses in Punjabi language may be perceived through his poetry. The article besides incorporating examples of Iqbal's liking of Punjabi language, presents a brief comparison of thoughts shared by Iqbal and the legendary poet of the Punjab-Sulatn Baho.

Keywords:
علامہ، اقبال، پنجابی، زبان، ادب، سلطان باہو، داتا گنج بخش، گنگوہی، میاں محمد بخش، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر

اقبالؒ عہد حاضر کی بہت بڑی شخصیت ہیں۔ ان کی زندگی کی طرح ان کی فکر کے بھی ان گنت پہلو ہیں جن پر بے شمار دانشور بہت کچھ لکھ چکے ہیں، لکھ رہے ہیں اور لکھتے رہیں گے۔ گویا اقبالؒ کے ہاں فکری تنوع اس قدر زیادہ ہے کہ ابھی اس پر سینکڑوں کتابیں تصنیف کرنے کی گنجائش ہے اور رہے گی۔

اقبالؒ کی فکر کے حوالے سے جہاں بہت سے محققین اور ناقدین نے قلم اُٹھایا ہے وہاں اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ اقبالؒ اور کلام اقبال کو پنجاب اور پنجابی زبان کے حوالے سے سنجیدگی سے شاید کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ پہلو آج تک یکسر نظر انداز رہا ہے۔ ممکن ہے کچھ احباب علم و دانش اس موضوع پر یہ اعتراض کریں کہ یہ اقبالؒ اور ان کی سوچ کو محدود کرنے کے مترادف ہے حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ حقیقت اس کے اُلٹ ہے۔ کیوں کہ یہ مسلمہ امر ہے کہ شاعر جس خطۂ ارض سے جنم لیتا ہے، جہاں تعلیم و تربیت کے مراحل طے کرتا ہے اور پھر ساری زندگی جہاں اور جن لوگوں میں بسر کر دیتا ہے وہاں کے اثرات ضرور قبول کرتا ہے بل کہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کی فکر کو پروان چڑھانے میں یہ اثرات بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ پھر حضرت اقبالؒ اس کُلیے سے یکسر مبرا کیسے ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے یقیناً یہاں کے اثرات قبول کیے جس کی شہادتیں ہمیں ان کے کلام سے ملتی ہیں۔ جب وہ سرتاج الاولیاء حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ کی شان میں یوں رطب اللسان ہوتے ہیں:

سیدِ ہُجویر مخدومِ اُمَم   مرقدِ اُو پیرِ سنجر را حرم

خاکِ پنجاب از دمِ اُو زندہ گشت   صبحِ ما از مہرِ اُو تابندہ گشت

یا پھر جب وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت بو علی شاہ قلندرؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت میاں میرؒ، حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ، خواجہ غلام فریدؒ، شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور جلال پور شریف کے پیر غلام حیدر شاہ صاحبؒ سے عقیدت کا اظہار کرتے ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں پنجاب اور محسنینِ پنجاب سے کس قدر عقیدت ہے۔ لازمی امر ہے کہ جب اُنہیں پنجاب سے عقیدت

ہے تو پھر انہیں پنجاب کے سرتاج صوفی شعراسے بھی عقیدت ہے۔ اقبالؒ کی ابتدائی تربیت چونکہ گھر کے صوفیانہ ماحول میں ہوئی تھی۔ اس لیے صوفیا سے عقیدت اور ان کی تعلیمات سے روشنی کشید کرنا ان کی فطرت میں شامل ہو چکا تھا۔ اس لیے خلیفہ عبدالحکیم وغلام رسول مہر کا یہ کہنا بجا ہوگا کہ اقبالؒ نے بنیادی طور پر عرفان وتقویٰ اور آداب اسلامیت کی پُرسعادت فضا کی آغوش میں تربیت پائی اور اس تربیت سے ان کے خداداد جوہر چمک اُٹھے۔(۱)

اقبالؒ کے گھر کی پُرسعادت فضا تقویٰ و پرہیزگاری سے معمور تھی تو اس کے روح رواں بلاشبہ ان کے صوفی منش والد شیخ نور محمدؒ تھے جن کی دقیقہ سنجی کے بارے میں شمس العلماء مولانا میر حسن سیالکوٹی جیسے نابغۂ روزگار انہیں کم پڑھا لکھا ہونے کے باوجود فلسفی کا خطاب دیتے تھے۔ اقبالؒ نے خود جو کچھ ان کے بارے میں لکھا ہے اس سے بھی یہی عیاں ہوتا ہے کہ وہ روشن خیال، روشن ضمیر اور درد کی دولت رکھنے والے مردِ باصفا تھے۔ اقبالؒ کہتے ہیں:

> ''ایک مرتبہ ایک فقیر ہمارے دروازے پر آکر ڈٹ گیا۔ میں نے اس کے سر پر ایک ضرب لگائی۔ جو کچھ اس نے بھیک مانگ کر جمع کر رکھا تھا گر پڑا۔ یہ دیکھتے ہی والد تڑپ اُٹھے۔ آنکھیں نم ناک ہوگئیں، فرمایا: قیامت کے دن خیر الرسل ﷺ کی اُمت کے غازی، شہید، عالم، زاہد، عاشق جمع ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ مجھ سے پوچھیں گے کہ ایک جوان مسلمان تیرے حوالے ہوا تھا جسے میری تعلیم سے کچھ حاصل نہ ہوا، تُو مٹھی بھر خاک کو آدمیت کے اوصاف نہ سکھا سکا۔ بتا! میں کیا جواب دوں گا؟''(۲)

اقبالؒ کی ذہنی تشکیل کے حوالے سے ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایک بار شام کے کھانے کے دوران وفات پا جانے والے کسی عزیز کا ذکر آ گیا۔ دوران گفتگو فرمانے لگے معلوم نہیں یہ بندہ خاکی اپنے رب سے کب کا بچھڑا ہوا ہے۔ یہ کہتے ہوئے بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور رات گئے تک اسی کیفیت سے ہمکنار رہے۔(۳) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اقبال کی تربیت میں

ان کے والدگرامی کی اُس صوفیانہ سوچ اور فکر کا بہت دخل ہے جو پنجاب کے صوفیا کا طرہ امتیاز رہی اور جسے انہوں نے پنجابی صوفیانہ شاعری کے ذریعے فیضان کی صورت عوام الناس تک پہنچایا۔

پنجابی اقبالؒ کی مادری زبان تھی اور وہ اپنی مادری زبان کی اہمیت سے پوری طرح واقف تھے اسی لیے ان کے فرزند ارجمند جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال کا کہنا ہے کہ وہ کاروبار حیات میں عام طور پر اسی زبان کو استعمال کرتے تھے۔ پنجابی زبان سے ان کا کس قدر گہرا تعلق تھا اس کی تصدیق دسمبر 1930ء میں شائع ہونے والے رسالہ ''سارنگ'' کے اس خصوصی شمارے سے ہوتی ہے جس میں حضرت اقبال کا انٹرویو پنجابی زبان میں شائع ہوا۔ اس انٹرویو میں یوں تو بہت سی باتیں ہیں لیکن ایک بات جو خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ ایک سوال کے جواب میں حضرت علامہ نے پنجابی کی وسعت دامانی کے حوالے سے فرمایا: پنجابی زبان میں اس قدر شیرینی اور وسعت ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس میں شعر کہوں لیکن کاش ایسا ہو سکتا۔ میری مجبوری یہ ہے کہ میری اُردو فارسی میں تربیت کچھ اس طرح سے ہو چکی ہے کہ اب پنجابی میں شاید اس طرح شعر نہ کہہ سکوں جس طرح چاہتا ہوں۔ (۴)

اس ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اقبال نہ صرف گھر پر بل کہ اپنے دوست احباب سے بھی عام طور پر خالص پنجابی میں گفتگو فرماتے تھے۔ (۵) بل کہ یہ شہادت بھی ریکارڈ پر ہے کہ کسی زمانے میں لاہور میں نابینا شاعر حافظ بخشی کے پنجابی ابیات کی دھوم تھی۔ 1922ء میں اقبال اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ حافظ بخشی کے گھر تشریف لے گئے اور فرمائش کر کے ان سے ان کی پنجابی شاعری سنی۔

تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ انہیں پنجابی صوفیانہ شاعری لگاؤ کی حد تک پسند تھی۔ خصوصاً سلطان باہوؒ، بلھے شاہؒ، وارث شاہؒ، ہاشم شاہؒ، میاں محمد بخشؒ، خواجہ غلام فریدؒ اور سید فضل شاہؒ کو بہت پسند کرتے تھے۔ کچھ چشم دید گواہوں کے بقول جن میں ملک لال دین قیصر کے بیٹے ملک اقبال قیصر بھی شامل ہیں (جو اتفاق سے میرے پڑوسی بھی رہے ہیں) بعض اوقات حضرت اقبالؒ، ہیر وارث شاہ،

ہاشم شاہؒ کے دوہڑے، بلھے شاہؒ کی کافیاں اور سلطان باہوؒ کے ابیات پڑھنے والوں کو خصوصی طور پر بلواتے اور انہیں انہماک سے سنتے۔ اس دوران ان کی آنکھیں نمناک ہو جاتیں۔ آخری عمر میں تو یہ اثر اور بھی گہرا ہو گیا تھا۔ اس کا ذکر محمد حسین عرشی، سید نذیر نیازی، صوفی تبسم اور شورش کاشمیری نے اپنی تحریروں میں بھی کیا ہے۔ اپنے ہم عصر پنجابی شعرا میں انہیں ڈاکٹر فقیر محمد فقیر اور لال دین قیصر زیادہ پسند تھے۔ ملک لال دین قیصر تو ان کے ساتھ آزادی کی تحریک میں بھی نمایاں رہے جنہوں نے نو(9) بار جیل بھی کاٹی۔(۶)

بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے جہاں بہت سے اُردو لکھنے والوں کو پنجابی میں لکھنے کی طرف مائل کیا وہاں انہوں نے حضرت علامہ سے بھی گزارش کی تو ایک بار مسکراتے ہوئے علامہ نے کہا: فقیر صاحب! میں آپ کو پنجابی کا شاعر تب مانوں گا کہ اگر آپ میرے اس شعر کا ترجمہ پنجابی کے ایک شعر ہی میں اس طرح کریں کہ احساس مجروح نہ ہونے پائے۔ شعر تھا:

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
ہوش و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر

ڈاکٹر فقیر نے فی البدیہہ کہا:

لشکن والیاں زلفاں نوں ہور ذرا لشکاندا جا
ہوشاں عقلاں ، جیوڑے نظراں سب نخچیر بناندا جا

تو اقبال داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔(۷)

اس مختصر سی گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ اقبال نے اگر رومی و جامی سے فکری سطح پر کسبِ فیض کیا ہے تو پنجاب کے سپوت اور ملک و ملت کا سرمایہ ہونے کے ناطے انہوں نے پنجاب کے دانشور بزرگوں سے بھی بہت کچھ لیا ہے۔ کس سے کیا لیا؟ یہ ایک لمبا چوڑا تحقیقی موضوع ہے۔ تاہم ''مشک آن است کہ خود ببوید'' کے مصداق اپنے دعوے کے ثبوت اور دلیل کے طور پر فی الوقت صرف ایک صوفی شاعر سلطان باہوؒ کے کلام میں سے اقبال کے چند اشعار کا فکری تقابل پیش ہے۔

علم ایک روشنی ہے اور عالم وہ ہے جو اس روشنی کو اپنی ذات کا حصہ بنالیتا ہے۔یعنی عالم باعمل ہوتا ہے مگر ظاہر دار علماہر دور میں علم کو روشنی نہیں بل کہ کاروبار روزگار کا درجہ دیتے چلے آئے ہیں۔ سلطان باہُوؒ باعمل عالم وصوفی تھے۔اس لیے وہ ظاہر دار علم فروشوں کے خلاف حق کی آواز بلند کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔چناں چہ فرماتے ہیں:

پڑھ پڑھ عالم کرن تکبر حافظ کرن وڈیائی ہُو
گلیاں دے وچ پھرن نمانے وتن کتاباں چائی ہُو
جتھے ویکھن چنگا چوکھا اوتھے پڑھن کلام سوائی ہُو
دوہیں جہانیں مُٹھے سوئی باہُو جنہاں کھادی ویچ کمائی ہُو (۸)

اقبال کو بھی خطۂ پنجاب کے انہی ظاہر دار علما سے واسطہ پڑا۔چنانچہ وہ پکار اُٹھے:

یہی شیخ حرم ہے جو چُرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بُوذر و دلقِ اویس و چادرِ زہرا

سلطان باہُوؒ خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے انسان کو بیداری کا پیغام دیتے ہوئے کہتے ہیں:

توں وی جاگ نہ جاگ فقیرا لوڑیں انت جگایا ہُو
اکھیں میٹیاں دل ناں جاگے، جاں مطلب نوں پایا ہُو
ایہہ نکتہ جاں پختہ کیتا تاں ظاہر آکھ سنایا ہُو
میں تاں بُھلی وہندی ساں باہُو، مرشد راہ دکھایا ہُو (۹)

اب دیکھیے اقبال،حضرت باہُو کے ساتھ فکری اشتراک کس طرح پیدا کر لیتے ہیں:

دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کراری
مِسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دل بیدار پیدا کر دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری (۱۰)

اسی طرح عشق، عقل اور ایمان کے مباحث دونوں کے ہاں ملتے جلتے موضوع ہیں ۔بعض جگہ تو یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے اقبال نے سلطان باہوؒ کے مفہوم کو ہی اُردو کا جامہ پہنا دیا ہو۔ صرف دو مثالیں دیکھئے:

باہُو:

ایہہ تن میرا چشماں ہووے مرشد ویکھ نہ رجاں ہُو
لوں لوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشماں اک کھولاں اک کجاں ہُو (11)

اقبال:

نظارے کو یہ جنبش مژگاں بھی بار ہے
نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

ادبیات میں دل اور آنکھ محسوسات اور مشاہدات عالم میں دو اہم ترین بنیادی ذرائع ہیں۔جن کی بے پایاں وسعت سے ہر معروف شاعر نے بصیرت افروز مفاہیم کے در وا کیے ہیں۔سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں:

دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانے ہُو
وچے بیڑے وچے جھیڑے وچے ونجھ موہانے ہُو
چوداں طبق دلے دے اندر تنبو وانگوں تانے ہُو
جو دل دا محرم ہووے باہُو سوئی رب پچھانے ہُو (۱۲)

اسی کو اقبال یوں بیان کرتے ہیں:

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی (۱۳)

اپنے من میں غوطہ زن ہو کر سراغ زندگی حاصل کرنے کا سبق ہمیں سلطان باہُوؒ کے ہاں یوں ملتا ہے:

ایہہ تن رب سچے دا حُجرہ وچ پا فقیرا جھاتی ہُو
نہ کر منت خواج خضر دی تر ے اندر آب حیاتی ہُو (۱۴)

اقبال بھی اسی راستے کی نشاندہی کرتے ہیں:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن (۱۴)

یا

جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں (۱۶)

عبادت انسان کو خالقِ حقیقی کے قریب کر دیتی ہے مگر یہ قربت اسے نصیب ہوتی ہے جو حضور و سرور کی کیفیت سے ہمکنار ہو۔ اسی لیے سلطان باہُوؒ فرماتے ہیں:

باجھ حضوری نہیں منظوری توڑے پڑھن بانگ صلوٰتاں ہُو
روزے نفل نماز گزارن توڑے جاگن ساریاں راتاں ہُو
باجھوں قلب حضور نہ ہووے توڑے کڈھن سے زکوٰتاں ہُو
باہُو باجھ فنا رب حاصل ناہیں نہ تاثیر جماعتاں ہُو (۱۷)

حضرت اقبال بھی عبادت میں حضوری کو ضروری سمجھتے ہیں:

تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گزر ایسے امام سے گزر (۱۸)

زندگی ان قرینوں کی خوبصورت ترتیب کا نام ہے جو ادب اور اخلاق سے عبارت ہیں اسی لیے سلطان باہُوؒ کہتے ہیں:

بے ادباں نہ سار ادب دی گئے ادباں توں وانجھے ہُو
جیہڑے تھاں مٹی دے بھانڈے کدی نہ ہوندے کانجے ہُو

جیہڑے مُنڈھ قدیم دے کھیڑے کدی نہ ہوون رانجھے ہُو
جیں دل حضور نہ منگیا باہُو گئے دوہیں جہانیں وانجے ہُو (۱۹)

اقبال کہتے ہیں:

خاموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں (۲۰)

دکھاوے اور ظاہرداری کی عبادت یا کوئی بھی عمل بے سود کوشش کے علاوہ کچھ نہیں۔ اسی لیے سلطان العارفینؒ نے ان سے دُور رہنے کی تلقین کی ہے:

تسبیح دا توں کسبی ہویوں ماریں دم ولیہاں ہُو
من دا منکا اک نہ پھیریں گل پائیں پنج ویہاں ہُو
دین لگیاں گل گھوٹو آوے لین لگیاں جھٹ شیہاں ہُو
پتھر چت جنہاں دے باہُو اوتھے ضائع وساں میہاں ہُو (۲۱)

ضرب کلیم کی نظم 'علم وعشق' میں بھی اقبال نے اسی مفہوم کو ذرا زیادہ آفاقی رنگ میں پیش کیا ہے۔

کلمۂ توحید کائنات کی جان ہے۔ تمام تر سربستہ راز اسی سے آشکار ہوسکتے ہیں۔ اسی لیے صوفیائے کاملین نے اس پر خصوصی توجہ دی ہے۔ بلکہ حضرت مجدد الف ثانی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ کلمہ توحید کا پلڑا پوری کائنات کے پلڑے سے بھی بھاری ہوگا۔ سلطان باہُو نے بھی اس پر بہت زور دیا ہے:

ک: کلمے لکھ کروڑاں تارے ولی کیتے سے راہیں ہُو
کلمے نال بجھائے دوزخ جتھے اگ بلے ازگاہیں ہُو
کلمے نال بہشتیں جانا جتھے نعمت ٹُھ صباحیں ہُو
کلمے جیہی کوئی نہ نعمت باہُو اندر دوہیں سرائیں ہُو (۲۲)

اقبال نے کلمہ توحید کی حقیقت کو بڑی جامعیت سے یوں بیان کیا ہے:

خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ
یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ (۴۳)

عشق وہ پاکیزہ جذبہ ہے جو پاک طینت اور پاکباز بندگان خدا کا خاصہ ہے۔ بقول وارث شاہ ''عشق پیر فقیر دا مرتبہ ہے''۔عشق ہماری صوفیانہ شاعری اور شعرا کا مقبول ترین موضوع رہا ہے۔جس میں عشق کی ماہیت، اس کی واردات اور عاشق کی اصل پہچان کے علاوہ عشقِ حقیقی کے اثرات کا تذکرہ، باطن کی پاکیزگی اور روح کی بالیدگی کا سبب سمجھا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت سلطان باہوؒ نے بھی اپنی صوفیانہ شاعری میں اس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔طوالت سے بچنے کے لیے صرف ایک بند پیش خدمت ہے:

عشق جنہاں دے ہڈیں رچیا اوہ رہندے چُپ چپاتے ہُو
لوں لوں دے وچ لکھ زباناں اوہ پھردے گُنگے باتے ہُو
اوہ کردے وضو اسم اعظم دا تے دریا وحدت وچ نھاتے ہُو
تدوں قبول نمازاں باہُو جد یاراں یار پچھاتے ہُو (۴۴)

یا:

سچا عشق حسین علی دا باہُو سر دیوے راز نہ بھنے ہُو (۴۵)

یعنی جن کے رگ و جاں میں عشق، ذاتِ الٰہی کی محبت کی صورت میں سرایت کر گیا ہو وہ اس کے ذکر کے علاوہ بات ہی نہیں کرتے۔اگرچہ محبتِ الٰہی کی بدولت ان کے بال بال میں قوت گویائی پیدا ہو جائے مگر وہ اس راز کو ظاہر نہیں ہونے دیتے اور دنیا کے سامنے گونگے بہرے بنے رہتے ہیں کیونکہ ان کی درویشانہ غیرت خدا کے سوا کسی اور کا ذکر کرنے یا سُننے کو پسند ہی نہیں کرتی۔ وہ اسمِ اعظم کی

پاکیزگی میں ہی اس قدر مستغرق رہتے ہیں کہ یہی ان کا وضو اور غسل ہے اور یہی کیفیت انھیں حالتِ عرفان میں رکھتی ہے۔حضرت علامہ اقبال نے بھی عشق کے اسی فلسفے کی معراج تک رسائی حاصل کی اور سلطان العارفینؒ کے بیان کردہ نکات کو مزید وسعت کے ساتھ اپنی شاعری میں جگہ دی:

عشق دمِ جبرائیل عشق دلِ مصطفےٰ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام (۲۶)

....

صدقِ خلیل بھی ہے عشق ،صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق (۲۷)

بعض جگہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اقبال نے حضرت باہُو کے مصرعوں کو براہ راست اُردو شعر کا جامہ پہنا دیا ہے۔سلطان باہُوؒ کا مصرعہ ہے:

ایہو ساہ جو آوے جاوے ہور نہیں شے کائی

اب اسی مفہوم کو اقبال کے رنگ میں دیکھیے:

زندگی انسان کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں
دم ہوا کی موج ہے رم کے سوا کچھ بھی نہیں (۲۸)

حضرت اقبال کا صوفیانہ مذاق نہ صرف حضرت سلطان باہُوؒ سے متاثر دکھائی دیتا ہے بلکہ حضرت میاں محمد بخشؒ سے استفادہ کرتا بھی نظر آتا ہے۔

موت ایک ایسی حقیقت کہ جس سے پیچھا چھڑانا کسی ذی روح کے بس کی بات نہیں۔ موت کا ذائقہ ہر کسی نے چکھنا ہے۔دنیا کی بے ثباتی موت کی حقیقت سے ہی سمجھ آتی ہے۔میاں صاحب کا معروف شعر ہے:

سدا نہ باغیں بُلبل بولے سدا نہ باغ بہاراں
سدا نہ ماپے حسن جوانی سدا نہ صحبت یاراں

اقبال کہتے ہیں:

اول و آخر فناہ باطن و ظاہر فناہ
نقش کہن ہو کہ نُو منزلِ آخر فناہ(۲۹)

غور کیا جائے تو اقبال کی مشہور نظم 'مسجد قرطبہ' کا ابتدائی حصہ اور معروف نظم 'والدہ محترمہ کی یاد میں' اسی ایک شعر کی تفسیر قرار دی جا سکتی ہیں۔ یہ دو شعر بطور خاص قابلِ ذکر ہیں جو اس فکر سے ہم آہنگ ہیں:

کلبۂ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قُلزمِ خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موت کی آغوش میں(۳۰)

اسی طرح میاں صاحب نے جسے ''مرد'' یا ''ولی'' کہا ہے اقبال کے نزدیک وہی مومن اور مردِ قلندر ہے۔ میاں صاحب فرماتے ہیں:

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی
مرد نگاہ کرن جس ویلے مشکل رہے نہ کائی

یہی فکر اقبال کے ہاں دیکھیے:

نہ تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے(۳۱)

میاں صاحبؒ کا شعر ہے:

دنیا باغ ولی وچ مالی آپ خداوند رکھے
کدھرے کھڑی بنیری لاوے کدھرے بوٹے پٹے

اقبال فرماتے ہیں:

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

گو کہ اقبال نے پنجابی زبان میں شعری مہارت نہ ہونے کے جواز میں پنجابی میں شاعری نہیں کی، لیکن پنجاب، اہل پنجاب اور پنجابی صوفیا کے ساتھ اقبال کے فکری و جذباتی تعلق نے بعد میں آنے والے اہل قلم کو بہت حد تک متاثر کیا ہے چنانچہ انہوں نے بھی فکرِ اقبال اور محبتِ اقبال دونوں کو پنجابی زبان میں منتقل کرنے کی بھرپور سعی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فکر اقبال سے آج پنجابی زبان تہی دامن نہیں رہی۔ بلکہ اقبالیات کو اس خوب صورتی اور خلوص سے پنجابی نظم و نثر میں منتقل کیا گیا ہے کہ اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عمل اقبال کی زندگی ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر فقیر کی کتاب "موآتے" اس امر کی مضبوط ترین دلیل کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔

شکوہ، جواب شکوہ کا پہلا ترجمہ 1938ء میں فضل دادشاہ نے کیا۔ پھر 1960ء میں رحمت علی رحمت نے 1963ء میں فضل احمد فاروقی اور ماسٹر کاظم علی نے، 1963ء میں قریشی احمد حسین قلعداری نے، 1970ء میں خلیل آتش نے، اور پھر اقبال کی طویل نظموں کو آتش ہی نے 1977ء میں پنجابی میں ترجمہ کیا۔

مثنوی اسرار و رموز 1975ء میں خلیل آتش کی کاوش سے ترجمہ ہوئی۔ جاوید نامہ کو 1974ء میں ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ترجمے کا روپ دیا جبکہ اسی جاوید نامے کو 1977ء میں معروف سکالر شریف کنجاہی نے پنجابی قالب میں ڈھالا۔ اسی سال خطبات اقبال کا شریف کنجاہی نے پنجابی نثر میں ترجمہ کیا۔ اقبال کا کچھ فارسی کلام 'نظراں کردیاں گلاں' کے عنوان سے صوفی تبسم نے ترجمہ کیا۔ اسی طرح کچھ منتخب کلام کو عبدالمجید نے 'دلاں دا چانن' کے عنوان سے پنجابی میں متعارف کروایا۔ اسی طرح ارمغان حجاز، پس چہ باید کرد، اسرار و رموز کے معیاری تراجم عبدالغفور اظہر نے کیے جبکہ پس چہ باید کرد کا ایک ترجمہ 'ہن کیہ کریئے' کے نام سے سید منظور حیدر نے کیا۔

اسی طرح اقبال کے منتخب کلام کے مترجمین میں جہاں اختر حسین شیخ، نسیم احمد، دلشاد کلانچوی کے نام قابل ذکر ہیں وہاں امیر عابد کا ''بالِ جبریل'' کا ترجمہ 'جبریل اُڈاری' کے نام سے خاصے کی چیز ہے۔

گویا آج کے عہد تک یہ کام جاری ہے اور یوں اقبال کا وہ فیضان جو انہوں نے صوفیائے کاملین سے حاصل کیا وہی 'فیضان' پنجابی زبان وادب کو بھی مالا مال کر رہا ہے۔

بعض تراجم تو ایسے ہیں کہ اقبال کا اصل متن سامنے نہ ہو تو یہ گمان گزرتا ہے کہ اقبال نے پنجابی میں ہی لکھا ہوگا۔ اس سلسلے میں عبدالغفور اظہر اور امیر عابد کے نام بہت ہی اعتماد اور احترام سے لیے جا سکتے ہیں۔ جب کہ اقبال کے ساتھ عقیدت کے اظہار کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ حیاتِ اقبال اور ان کے کارہائے نمایاں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے بہت جاندار نظم اور نثر پارے تحریر کیے گئے ہیں انہیں بھی بغور دیکھنے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) دائرہ معارف اسلامیہ جلد۳۔ دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۶۸ء ص ۸

(۲) علامہ اقبال: رموز بیخودی: طبع اول ۱۹۱۸ء ص ۷۱ تا ۷۴

(۳) مکاتیب اقبال حصہ دوم، ص ۶۷

(۴) رسالہ ''سارنگ'' دسمبر ۱۹۳۰ء

(۵) تماہی پنجابی، لاہور خصوصی شمارہ، جولائی دسمبر ۲۰۰۰ء ص ۱۰۶

(۶) روبینہ تاج: ملک لال دین قیصر (حیاتی تے شاعری): تحقیقی مقالہ ایم اے پنجابی، مملوکہ پنجابی سیمینار لائبریری شعبہ پنجابی یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، ۱۹۸۷ء ص ۳۸

(۷) بشیر حسین ناظم: (مضمون) ''حضرت بابا ئے پنجابی'' شامل'' ہکی منڈیر پر ایک چراغ''، مرتبہ محمد جنید اکرم، بزم فقیر پاکستان لاہور، ۲۰۱۱ء ص ۲۹۔ ۲۸

(۸) سلطان باہُو: ابیات باہُو؛ مرتبہ ڈاکٹر سلطان الطاف علی، غلام دستگیر اکادمی و ناشار پبلشرز کوئٹہ، لاہور۔ مارچ ۱۹۹۵ء ص ۱۲۵

(۹) ابیات باہُو، ص ۲۱۱

(۱۰) اقبال: کلیات اقبال؛ الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور، س ن، ص

(۱۱) ابیات باہُو، ص ۹۹

(۱۲) ابیات باہُو، ص ۲۹۷

(۱۳) کلیات اقبال (بانگ درا) ص ۱۲۸

(۱۴) ابیات باہُو، ص ۱۱۰

(۱۵) کلیات اقبال (بال جبریل) ص ۳۶۷

(۱۶) کلیات اقبال (بانگِ درا) ص۱۲۹

(۱۷) ابیات باہو، ص۱۳۹

(۱۸) کلیات اقبال (بالِ جبریل) ص۳۶۶

(۱۹) ابیاتِ باہو، ص۱۴۱

(۲۰) کلیات اقبال (بانگِ درا)، ص۱۳۰

(۲۱) ابیاتِ باہو، ص۲۰۵

(۲۲) ایضاً، ص۴۹۲

(۲۳) کلیات اقبال (ضربِ کلیم) ص۵۲۷

(۲۴) ابیاتِ باہو، ص۴۴۴

(۲۵) ایضاً، ص۴۴۷

(۲۶) کلیات اقبال (بالِ جبریل)، ص۴۲۱

(۲۷) ایضاً، ص۴۳۹

(۲۸) کلیات اقبال (بانگِ درا) ص۱۶۱

(۲۹) کلیات اقبال (بالِ جبریل) ص۴۲۰

(۳۰) کلیات اقبال (بانگِ درا) ص۲۵۹

(۳۱) کلیات اقبال (بالِ جبریل) ص۲۹۵

✿✿✿